© rasailojaraid.com

جنابِ وزیراعظم! ریکارڈ درست کیجیے

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

حال ہی میں جناب سیّد یوسف رضا گیلانی وزیراعظم پاکستان کا مضمون ’’میرے والد مخدوم سیّد علمدار گیلانی‘‘ بالاقساط شائع ہوا۔ جس میں وزیراعظم نے اپنے والد ماجد کے سوانحی حالات کے ضمن میں مجلس احرار اسلام کو اَپنی تنقید کا نشانہ بنایا، جو درحقیقت خلافِ واقعہ ہے۔ تاریخ کی اصلاح اور ریکارڈ کی درستگی کے لیے یہ سطور پیش خدمت ہیں۔

جنابِ وزیراعظم نے میاں ممتاز دولتانہ سابق وزیراعلیٰ پنجاب کی وزارتِ اعلیٰ کے خاتمے کے اسباب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ:

’’پنجاب حکومت کی زرعی اصلاحات سے زمیندار طبقہ ناراض تھا اور اسی بناء پر انھوں نے حکومت کو گندم فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً صوبہ بھر میں گندم کی قلت ہوگئی۔ مجلس احرار نے اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنے کے لیے اُن کی حمایت شروع کر دی۔ وفاق کو کمزور کرنے کی ضد میں وزیراعلیٰ ممتاز دولتانہ درپردہ مجلس احرار کی حمایت کر رہے تھے۔ اِسی دوران مجلس احرار نے قادیانی کافر کا نعرہ لگا دیا۔ ملک میں فسادات شروع ہوگئے۔ لاہور کی طرح کراچی اور کوئٹہ بھی لپیٹ میں آگئے۔‘‘

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ پر نظر رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ مجلس احرار اسلام نے جنوری ۱۹۴۹ء میں لاہور کے ایک جلسۂ عام میں احرار کی سیاسی حیثیت کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا اور اپنے کارکنوں کو حکم دیا تھا کہ جو لوگ سیاسی کام کرنا چاہتے ہیں، وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ اِس طرح مجلس احرار اسلام نے سیاست سے دستبرداری کا اعلان کر کے مسلم لیگ کے لیے سیاسی میدان کھلا چھوڑ دیا۔ تاکہ مسلم لیگ بغیر کسی رکاوٹ اور مخالفت کے آزادانہ طور پر نوزائیدہ مملکت کی تعمیر وتشکیل کر سکے۔ انتخابی سیاست سے علیحدگی کے بعد مجلس احرار کے رہنماؤں نے اپنا جماعتی دائرۂ عمل دینی امور بالخصوص تحفظ ختم نبوت تک محدود اور مخصوص کر دیا تھا اور ایک قرارداد میں واضح کر دیا تھا کہ:

’’مجلس احرار اَب مذہبی اور اخلاقی کاموں میں سرگرم عمل رہے گی۔ تحفظ ختم نبوت اِس کا بنیادی مسئلہ ہے۔ سیاست اب ہماری منزل نہیں۔ سیاست مسلم لیگ جانے اور اُس کا کام۔‘‘

مجلس احرار نے انتخابی سیاست کو خیرباد کہہ کر مسلم لیگ کی سیاسی حیثیت مستحکم کر دی۔ بصورتِ دیگر مجلس احرار اسلام اگر اپنی سیاسی حیثیت برقرار رکھتی تو وہ مسلم لیگ کے لیے بحیثیت جماعت ایک سخت اور شدید ترین اپوزیشن جماعت ثابت ہو سکتی تھی، لیکن احرار رہنماؤں نے محاذ آرائی سے بچتے ہوئے اپنی سیاسی جمع پونجی کو مسلم لیگ کے سپرد کر کے جس فراخ دلی اور کشادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظرفی کا ثبوت دیا۔ اُس کی مثال آج تک کوئی بھی جماعت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وزیراعظم کا یہ کہنا کہ مجلس احرار اسلام نے اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنے کے لیے دولتانہ کی حمایت شروع کردی تھی تو یہ دراصل ماضی کی تاریخ سے بے خبری کا نتیجہ ہے یا پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کا اثر ہے۔ مجلس احرار ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں شکست سے دوچار ہوجانے کے بعد بھی پاکستان میں مسلم لیگ کے بعد دوسری بڑی سیاسی جماعت کا درجہ برقرار رکھے ہوئے تھی۔ جس کے صرف لاہور شہر کے کارکنوں کی تعداد اور اُس کی عوامی وسیاسی قوت کا اندازہ اِس واقعہ سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے دس قادیانیوں کو ٹکٹ دیے تو مجلس احرار نے بھرپور مہم چلائی۔ جس کے نتیجہ میں تمام قادیانی امیدوار ہار گئے اور مجلس احرار اسلام نے یومِ تشکر منایا۔ اِس موقع پر احرار رضا کاروں نے مسلم لیگ کی کامیابی پر نواب افتخار حسین ممدوٹ رہنما پاکستان مسلم لیگ کو سلامی دی تھی تو احرار کے پچاس ہزار سے زائد کارکنوں پر مشتمل جلوس کا اگلا دستہ لاہور قلعہ کے دروازے پر تھا اور سب سے پچھلا دستہ ابھی دہلی دروازے میں تھا۔ اس بھرپور قوت کی حامل ہوتے ہوئے احرار کو میاں ممتاز دولتانہ کی کمزور بیساکھیوں کی ضرورت ہرگز نہ تھی۔ رہی دولتانہ کی ''درپردہ'' مجلس احرار اسلام کی حمایت کی حقیقت، تو عرض ہے کہ تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے واقعات کی تحقیق کے لیے جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل دورُکنی تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا تھا جو عرفِ عام میں منیر انکوائری کمیشن کہلاتا ہے۔ اِس کمیشن نے اگرچہ جانبداری کی حد کردی تھی اور اس کی رپورٹ میں مجلس احرار اسلام کے خلاف الزامات واِتہامات کی بوچھاڑ کردی گئی تھی، لیکن یہ کمیشن بھی اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں دولتانہ کی تحریک ختم نبوت کی حمایت کو ثابت نہ کرسکا اور کمیشن کی رپورٹ میں واضح طور پر یہ تسلیم کیا گیا کہ ''ہمارے سامنے اس امر کی بھی کافی شہادت موجود نہیں کہ مسٹر دولتانہ نے اِس تحریک کو شروع کیا، یا...... اس کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی۔'' (رپورٹ تحقیقی عدالت، صفحہ ۳۰۵) تحقیقاتی کمیشن نے احرار، دولتانہ ''سازباز'' کو بھی محض سنی سنائی بات قرار دیا۔ (رپورٹ تحقیقی عدالت، صفحہ ۳۰۶) مجلس احرار اسلام کو ممتاز دولتانہ کے ساتھ نتھی کرنا دراصل قادیانیوں کا شرانگیز پروپیگنڈہ ہے۔ جس سے متاثر ہوکر ہمارے قلم کار بھائی بے سوچے سمجھے اسے قبول کرلیتے ہیں، حقائق کو نظر انداز کردیتے ہیں اور پھر اپنے خودساختہ فکر وتجزیہ کو تاریخی دستاویز کے طور پر پیش کرنے اور منوانے کے درپے ہوجاتے ہیں۔

احرار رہنماؤں نے تحریک تحفظ ختم نبوت کا اجراء کسی شخصیت کو اقتدار میں لانے یا اقتدار سے ہٹانے کے لیے نہیں، بلکہ صرف اور صرف جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت کے تحفظ اور پاکستان کو قادیانی سازشوں سے بچانے کے لیے کیا تھا۔ اُس دور میں پاکستان قادیانیوں کے ناپاک منصوبوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے اپنے عہدہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا کے اکثر پاکستانی سفارت خانوں کو جناب حمید نظامی مرحوم کے بقول ''قادیانی تبلیغ کے اڈے بنادیا تھا۔'' اُدھر قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود صوبہ بلوچستان کو ''احمدی صوبہ'' بنانے کا کھلم کھلا اعلان کرنے اور اکھنڈ بھارت کے ارادوں کو اپنے الہامات سے سجا کر سامنے لارہا تھا۔ پاکستان وقت کے نازک دوراہے پر آ کھڑا تھا۔ ان مخدوش حالات میں مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں نے اسلام اور پاکستان کی حفاظت کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میدانِ عمل میں نکلنے کا فیصلہ کیا۔کُل جماعتی مجلس عمل بنائی گئی۔جس نے قوم و ملک کو قادیانی بھنور سے نکالنے کے لیے یہ تین متفقہ مطالبات مرتب کیے: (۱) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (۲) سرظفر اللہ خان قادیانی کو وزارت خارجہ سے سبکدوش کیا جائے۔ (۳) تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔

ان مطالبات کی منظوری کے لیے مجلس عمل کے رہنماؤں نے بارہا وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے مذاکرات کیے، لیکن آخر کار خواجہ ناظم الدین نے مجلس عمل کے رہنماؤں سے یہ کہہ کر مذاکرات کے عمل کو معطل کر دیا کہ ''اگر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو امریکہ ہماری گندم بند کر دے گا۔'' اِس مایوس کن جواب کے باوجود مجلس عمل نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا اور مذاکرات کے سلسلہ کو کسی نہ کسی طرح بحال رکھا، مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مجبوراً راست اقدام (DIRECT ACTION) کا فیصلہ کیا گیا اور تحریک کو بہر صورت پُرامن رکھنے کا فیصلہ ہوا، لیکن خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات قادری، ماسٹر تاج الدین انصاری سمیت متعدد رہنماؤں کو دفتر احرار، کراچی سے گرفتار کر لیا۔ ان گرفتاریوں کی خبر پنجاب میں پہنچی تو عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ جن کے بارے میں تحریک ختم نبوت کا پشتیبان ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے ،انھوں نے ہی ۲۷ر فروری ۱۹۵۳ء کو مجلس احرار اسلام پنجاب کے تمام سرگرم رہنماؤں اور کارکنوں اور دُوسرے متحرک افراد کو رات کو گرفتار کرنے کے فیصلہ کی منظوری دی۔ (تحقیقاتی عدالت رپورٹ، صفحہ ۱۴۷) اور پنجاب بھر سے ہزاروں افراد رات گئے تک گرفتار کر لیے گئے۔ (کیا یہی دولتانہ کی مجلس احرار اسلام سے ''ہمدردی'' تھی!)

۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کو فوج لاہور شہر میں داخل ہوگئی اور جنرل اعظم خان کی طرف سے مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔ مارشل لاء کا فائدہ اٹھا کر کئی مقامات پر قادیانی فوجی وردیاں پہنے، جیپ میں سوار ہو کر مسلمانوں پر فائرنگ کرتے رہے اور کوئی انھیں روکنے والا نہ تھا۔ دولتانہ کی پنجاب پولیس، جنرل اعظم خان کے ایماء پر آرمی اور اِن کے علاوہ قادیانی افسران تحفظ ختم نبوت کے نام لیواؤں پر وحشیانہ تشدد کرنے اور اُن کے قتل عام میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ دس ہزار نہتے اور بے گناہ مسلمان مملکت خداداد میں شہید کر دیے گئے۔ مجلس احرار پر پابندی عائد کر دی گئی اور قادیانیوں کو کفر و اِرتداد پھیلانے کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا۔

اگر خواجہ ناظم الدین کی حکومت امن چاہتی تو مسلمانوں کے متفقہ مطالبات کو مان لینے میں ذرا بھی دیر نہ لگاتی اور دولتانہ حکومت اگر عوام کی خیر خواہی اور مسلمانوں کے جذبات کی ترجمان ہوتی تو فرزندانِ ختم نبوت کو گرفتاریوں، گولیوں اور وحشیانہ تشدد سے دوچار نہ کرتی۔ مرکزی و صوبائی حکومتوں اور فوج نے مل کر شہیدانِ ختم نبوت کو ختم نبوت کے تحفظ کی پاداش میں مٹا ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جس، جس نے بھی تحریک ختم نبوت کو کچلنے کے لیے درندگی و بہیمیت سے کام لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ خود عبرت کا نشان بن گئے ۔ جنرل اعظم خان، خواجہ ناظم الدین، ممتاز دولتانہ اور سر ظفر اللہ خان نے دائمی اقتدار کی خواہش اور قادیانیوں کی خوشنودی کے لیے شہدائے ختم نبوت کے خونِ بے گناہی سے ہاتھ رنگے، لیکن پھر وہ عمر اقتدار کے قریب سے بھی نہ گزر سکے۔ عبرت سرائے دہر میں وہ ناکامی و نامرادی کی مثال بن کر مٹی میں مل گئے، مگر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس اور اُن کے منصبِ عظیمہ پر مرمٹنے والے بظاہر گمنام، لیکن آج بھی تقدس و تطہیر کی علامت اور عقیدت و احترام کا نشان ہیں۔ شہدائے ختم نبوت کی اکثریت تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن وہ بدرجۂ اتم یہ شعور و اِدراک رکھتی تھی کہ ختم نبوت دین کی اساس ہے کہ جس پر اِیمان لائے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس علامہ محمد اقبالؒ کے بقول:

> ”نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا۔ مغربیت کی ہوا نے انھیں حفظِ نفس کے جذبہ سے عاری کر دیا ہے، لیکن عام مسلمان جو اُن کے نزدیک مُلّا زدہ ہے۔ اِس تحریک [قادیانیت] کے مقابلہ میں حفظِ نفس کا ثبوت دے رہا ہے۔“ (قادیانیت اور اسلام، بجواب نہرو)

یہ بھی حقیقت ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا جو کام خواجہ ناظم الدین جیسا تہجد گزار، حافظ قرآن، حاجی اور نمازی شخص نہ کر سکا، وہ عظیم کام اللہ تعالیٰ نے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے لے لیا اور بھٹو مرحوم نے عالمی طاقتوں اور طاغوتی قوتوں کے دباؤ میں آئے بغیر یہ معرکہ سر کر کے اللہ اور اُس کے رسول کی دائمی خوشنودی کا سامان کر لیا۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو بھی اپنے قائد بھٹو مرحوم کی پیروی میں منکرین ختم نبوت کو پاکستان کے دستور اور اِسلام کے ضوابط کا پابند کرنے کی توفیق دے، آمین۔ باور رہے کہ ممتاز دولتانہ جیسے کردار کچھ ہی لمحوں کے لیے ابھرتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے طاقِ نسیاں کی زینت بن جاتے ہیں اور ذوالفقار علی بھٹو جیسے لوگ تاریخ کے صفحات میں امر ہو جاتے ہیں، کیونکہ تحفظِ ناموسِ رسالت کرنے والے لوگ فانی نہیں لافانی ہوا کرتے ہیں۔

☆☆☆

HARIS 1
حارث ون
ڈاؤلینس ریفریجریٹر
اے سی سپلٹ یونٹ
کے بااختیار ڈیلر
Dawlance
نزد الفلاح بینک، حسین آگاہی روڈ، ملتان
061 -4573511
0333-6126856

© rasailojaraid.com